Fikr-o-Nasar (Islamabad) 43:2 (2005)
© rasailojaraid.com

فکر و نظر............ اسلام آباد　　جلد: ۴۳　　شمارہ: ۲

مقاماتِ معصومی

(طبع محمد اقبال مجدّدی کا ایک جائزہ)

عارف نوشاہی *

ایک طویل اور صبر آزما انتظار کے بعد آخرکار *مقاماتِ معصومی* اکتوبر ۲۰۰۴ء میں شائع ہو گئی۔ پروفیسر محمد اقبال مجدّدی (استاد شعبۂ تاریخ، گورنمنٹ اسلامیہ کالج، سول لائنز، لاہور) اس کتاب کی ترتیب و تصحیح اور ترجمہ و تعلیق میں ۱۹۸۱ء سے مصروف تھے۔ اب کوئی ۲۳ سال کی محنتِ شاقہ کے بعد انھوں نے اس کتاب کی پیش کش کا حق ادا کر دیا ہے اورکئی سال کی تأخیر کی تلافی کر دی ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کا اہتمام چار جلدوں میں ہوا ہے**:

پہلی جلد: مقدّمہ، امام ربّانی مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور آپ کے جانشینوں کی تحریک احیاء دین، دارا شکوہ اور اورنگ زیب عالمگیر کے افکار کا تقابلی و تجزیاتی جائزہ اور اس کے اثرات و نتائج؛ تأليف محمد اقبال مجدّدی

دوسری جلد: *مقاماتِ معصومی*، اردو ترجمہ محمد اقبال مجدّدی

تیسری جلد: *مقاماتِ معصومی*، فارسی متن تأليف میر احمد معصومی، تصحیح و تقابل محمد اقبال مجدّدی

چوتھی جلد: تعلیقات و توضیحات، تأليف محمد اقبال مجدّدی

کسی فارسی متن کی تدوین کے لیے ایسے اہتمام و انصرام کی پاکستان کی معاصر علمی تاریخ میں چند ایک مثالیں ہی ملتی ہیں۔ ڈاکٹرمولوی محمد شفیع (۱۸۸۳۔۱۹۶۳ء) کی مرتّبہ *مطلع سعدین و مجمع بحرین*، سید حسام الدین راشدی (۱۹۱۱۔۱۹۸۲ء) کی مرتّبہ *مکلی نامہ* اور ڈاکٹر غلام سرور (۱۹۰۹۔۱۹۹۸ء) کی مرتّبہ *جواہر الاولیاء* اور *خلاصہ الالفاظ جامع العلوم* اپنی تعلیقات اور مقدّموں کے اعتبار سے مثالی ہیں اور مرتّبین کی کاوش اور جان فشانی کا پتا دیتی ہیں۔ *جواہر الاولیاء* اور *خلاصہ الالفاظ جامع العلوم* پر لکھے گئے ڈاکٹر غلام سرورکے مقدّمے جداگانہ حیثیت کے حامل ہیں اور یہ جدا ہی شائع ہوے ہیں۔ پاکستان

---

* ادارۂ معارف نوشاہیہ،۶۹ ماڈل ٹاون، ہمک ،اسلام آباد؛ anaushahi_2000@yahoo.com

** *مقاماتِ معصومی*، تأليف میر صفر احمد معصومی، بہ اہتمام محمد اقبال مجدّدی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۴ء، ۴ج، ۴۱۵+۶۸۲+۵۳۹+۵۹۴ ص

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں فارسی متون کی تدوین اور تصحیح کا وقار انھی فضلاء کے مرہونِ منّت ہے اور آج بھی فارسی حلقوں میں ان کا نام احترام سے لیا جاتا ہے۔ اب مجدّدی صاحب نے *مقاماتِ معصومی* مرتّب کرکے نہ صرف اس شان دار علمی روایت کو آگے بڑھایا ہے، بل کہ خود بھی ایک مثال قائم کی ہے۔ ایک فارسی متن کو بنیاد بنا کر اس کا چار جلدوں میں شائع ہونا پاکستان کی معاصر علمی تاریخ میں پہلا واقعہ ہے جس سے علمی دنیا میں پاکستان کی نیک نامی میں یقیناً اضافہ ہوا ہے۔ اس اہتمام پر اس کے مرتّب محمد اقبال مجدّدی صاحب مبارک باد اور تحسین کے مستحق ہیں۔ہم مستقبل قریب میں ان سے اسی طرح کے، بل کہ اس سے بہتر علمی کاموں کی توقع رکھتے ہیں۔ اللہ تعالی انھیں اس کی توفیق ارزانی فرمائے۔

جن محققین کو مجدّدی تحریک اور اس سلسلے کے جملہ مباحث، رجال اور آثار سے دل چسپی ہے وہ *مقاماتِ معصومی* کے اس ایڈیشن کو نظر انداز نہیں کرسکتے اور توقع رکھنی چاہیے کہ اس اشاعت کے بارے میں ان محققین کے نقطہ ہاے نظر، آراء، مشورے بتدریج سامنے آتے رہیں گے۔ میں نے بھی فارسی زبان و ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے محمد اقبال مجدّدی کی مرتّبہ *مقاماتِ معصومی* کو جَستہ جَستہ پڑھا ہے۔ ظاہر ہے اس کتاب کی چاروں جلدوں کا بالاستیعاب مطالعہ کرنے اور ان کے بارے میں مفصّل تنقیدی راے پیش کرنے کے لیے زیادہ کوشش، انہماک اور فرصت چاہیے۔ یہ کام ان محققین کا ہے جو نقشبندیہ مجدّدیہ مطالعات کے ماہر ہیں، احقر خود کو اس کا کسی طرح بھی اہل نہیں سمجھتا۔ میری ان سطور کا اوّلین مقصداس کتاب کی اشاعت کا خیر مقدم کرنا ہے اور ایک گوشہ نشین، خاموش طبع، ادبی و علمی مناقشوں سے دور محقق کو اس کی ربع صدی کی تحقیق پر داد دینا ہے۔ البتہ اس بہانے سے چند معروضات بھی پیش ہوں گی۔

مقاماتِ معصومی خواجہ محمد معصوم سرہندی (شوال۱۰۰۷ھ۔۹ربیع الاوّل۱۰۷۹ھ/۱۵۹۹ء۔۱۶۶۸ء) کے حالات، ملفوظات، عادات، تصرّفات اوران کے ابناء و اقرباء اور بعض خلفاء کے حالات پر میرصفر احمد معصومی (ولادت: ۱۵ ذی قعدہ ۱۰۸۶ھ ۔ وفات: قیاساً ۱۷ جمادی الاوّل ۱۱۵۰ھ / ۱۶۷۶ء۔۱۷۳۷ء) کی فارسی تصنیف ہے جس کا زمانۂ تصنیف ۲۶ ربیع الثانی ۱۱۳۲۔۱۵ ذی قعدہ ۱۱۳۴ھ/۱۷۲۰ء۔۱۷۲۲ء ہے۔ خواجہ محمد معصوم حضرت مجدّد کے تیسرے فرزند اور بقول مصنّف'' نائب اتم'' تھے۔ مصنّف خواجہ محمد معصوم کے نواسے تھے۔ محمد اقبال مجدّدی صاحب [اس کے بعد: فاضل مرتّب] نے یہ متن دو قلمی نسخوں کی مدد سے مرتّب کیا ہے، ایک نسخۂ مولانا ابوالحسن زید فاروقی مجدّدی، دہلی، مکتوبہ ۱۲۹۲ھ اور دوسرا نسخۂ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ، موسیٰ زئی شریف، بلا تاریخِ کتابت ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کتاب کا مقدّمہ (جلد اوّل) چار بڑے موضوعات پر مشتمل ہے:

۱۔ عالمگیری دور کے مجذوب اطوار اور شطح گو صوفیا کے حالات؛ فاضل مرتّب نے ان کا ذکر حضرات مجدّدیہ کے مقابلے میں ''صوفیاے خام'' کے طور پر کیا ہے اور ان کا کڑا محاکمہ کیا ہے؛

۲۔ مجدّدی حضرات کے دربار سے تعلقات؛

۳۔ خواجہ محمد معصوم کے حالات و تصانیف؛

۴۔ مقاماتِ معصومی کے مصنّف کے حالات اور کتاب پر تبصرہ۔

فاضل مرتّب نے مقاماتِ معصومی پر تعلیقات و حواشی اور مقدّمہ لکھنے میں ۵۰۷ مختلف مآخذ سے استفادہ کیا ہے (جلد چہارم، ص۴۷۷-۵۳۴) اور ان میں سے بعض نادر مآخذ کے صفحات کے عکس بھی پیش کیے ہیں (جلد چہارم، ص۵۳۸-۵۸۸)۔ فاضل مرتّب نے مقاماتِ معصومی سے اشخاص، جغرافیائی مقامات، روایات وغیرہ منتخب کرکے ان پر حواشی / تعلیقات لکھے ہیں؛ روایات کی تنقیح کی ہے؛آیات اور احادیث کی تخریج کی ہے؛ شجرہ نامے دیے ہیں۔

کتاب کی پہلی دو جلدیں کمپیوٹر ٹائپ پر اور آخری دو جلدیں دستی کتابت سے تیار ہوئی ہیں ،اسی لیے ان کی ظاہری خوب صورتی میں بھی فرق ہے۔ ایک ایسی کتاب کاجس میں سینکڑوں رجال، اماکن اور کتب کاتذکرہ ہواہے، کسی اشاریے کے بغیر شائع ہوجانا افسوس ناک ہے۔ اس طرح کتاب سے استفادہ محدود ہوگیا ہے۔ ہمارے ہاں اگر بعض مصنّفین اپنی تصانیف کے ساتھ اشاریہ دینا بھی چاہتے ہیں تو ناشرین اس کی افادیت سے ناواقف ہونے کے باعث یا طباعت کی لاگت کم رکھنے کی غرض سے اشاریہ چھاپنے سے اجتناب کرتے ہیں۔یہ کوئی علمی روّیہ نہیں ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد میں‌اپنی وہ معروضات پیش کرتا ہوں جو ان جلدوں کا سرسری مطالعہ کرنے کے بعد تیار ہوئی ہیں۔ یہ معروضات دو حصّوں میں‌تقسیم کی گئی ہیں۔ پہلے حصّے میں کتاب کے مندرجات پر اظہار خیال کیا گیا ہے اور دوسرے حصّے میں کتابت اور طباعت وغیرہ کی فروگزاشتوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ دونوں جائزے جلد وار مرتّب ہوے ہیں۔

(I)

جلد اوّل:

ص۶۵-۷۲: مُلّا شاہ بدخشی (۹۹۲-۱۰۷۲ھ/۱۵۸۴-۱۶۶۱ء) کے محاکمے کا تمام تردار و مدار دوسروں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تصانیف میں درج ان کے افکار پر ہے اور فاضل مرتّب نے کہیں مُلّا شاہ بدخشی کی اپنی تصانیف سے راست افکار نقل نہیں کیے۔ فاضل مرتّب نے بعض مسلمان ''صوفیاے خام'' کی شاعری سے ایسے نمونے چُن چُن کر پیش کیے ہیں جن کی بنیاد پر ان کی تکفیر کی جا سکے۔ غیر مسلم شعراء کی تو بات ہی اور ہے۔ اگر شاعری کی بنیاد پر کسی کے عقاید اور رجحانات کا تعیّن اور اس پر شرعی حکم لگانا معقول ہوتا تو ہماری ادب کی تاریخ کا کوئی شاعر فقہا اور قضات کی تادیب و تکفیر سے نہیں بچ سکتا اور وہ'' خام شاعر'' ہی قرار پاے گا۔ میں یہاں ایک بہت ہی معروف مسلمان شاعر مولانا نورالدین عبدالرحمان جامیؒ (۸۱۷۔۸۹۸ھ/۱۴۱۴۔۱۴۹۲ء) کے چند اشعار نقل کرتا ہوں اور دیکھتے ہیں کہ آیا ان اشعار کی روشنی میں انہیں ''موحد'' کہا جا سکتا ہے؟ مولانا جامیؒ سلسلۂ نقشبندیہ میں مولانا سعد الدین کاشغریؒ (م:۸۶۰ھ/۱۴۵۶ء) کے مرید اور خواجہ عبیداللہ احرارؒ (۸۰۶۔۸۹۵ھ/۱۴۰۴۔۱۴۹۰ء) کے عقیدت مند تھے۔ نعت گوئی میں ان کا مقام مسلّم ہے اور سیرت النبیﷺ پر ان کی کتاب *شواہد النبوۃ* بے حد مقبول ہے:

زسجدہ ای کہ نباشد در ابرویت رویم
بہ پیشت از خوی خجلت جبین ہمی شویم
بر آستان تو می ایستم بہ قصد نماز
سجود خاک درت را بہانہ می جویم[۱]

ترجمہ: جس سجدہ میں تمھارے ابرو میرے سامنے نہ ہوں، میں تمھارے سامنے شرمندگی کے پسینے سے اپنی جبین پونچھتا ہوں۔ تمھارے آستانے پر میں نماز کے ارادے سے کھڑا ہوتا ہوں اور تمھارے در کی خاک کو سجدہ کرنے کا بہانہ بناتا ہوں۔

بہ ہیچ مسجد و محراب بی تو رو نکنم
کہ پیش ابروی تو سجدہ آرزو نکنم[۲]

ترجمہ: میں اس وقت تک تمھارے بغیر کسی مسجد اور محراب کی طرف رخ نہیں کرتا جب تک تمھارے ابرو کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی آرزو نہ کر لوں۔

خوش آن کہ آینہ سان رو بہ روی آن پسر افتم
فروغ حسنِ ازل بینم و بہ سجدہ در افتم[۳]

ترجمہ: کتنا بھلا لگے اگر میں آئینے کی طرح اُس لونڈے کے سامنے رہوں، [اُس میں] حُسنِ ازل کا نور دیکھوں اور سجدے میں گر جاوں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجل رسید و بہ یک سجدہ قبلۂ من شو
کہ این وظیفۂ طاعت گزارم و بروم[۴]

ترجمہ: موت آ پہنچی، اب تو ایک سجدے کے لیے میرا قبلہ بن جاو کہ میں اپنی عبادت کا یہ حق ادا کر کے اس دنیا سے رخصت ہوں۔

کیا ان تمام اشعار میں شاعر کی یہ خواہش عیاں نہیں ہے کہ وہ مسجد کو چھوڑ کر اپنے محبوب کی محرابِ ابرو کو سجدہ گاہ بنانا چاہتا ہے، خداے واحد کے حضور نہیں بل کہ کسی خوش شکل لڑکے کے سامنے سجدہ ریز ہونا چاہتا ہے، بیت اللہ کو نہیں بل کہ اپنے محبوب کو قبلہ مانتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہی شاعر اپنے لیے محبوب کے کُتّوں کی دُم کا طالب ہے کہ اسے وفا کے طوق کے طور پر اپنی گردن میں ڈال سکے:

حلقۂ دُم سگانت بہ من ارزانی باد
تا کہ در گردن جان طوق وفای تو کشم[۵]

کُتّا جسے نجس حیوان قرار دیا گیا ہے، کیا اس کی دُم کا حلقہ انسانی گردن میں آویزاں کرنا انسانیت کے شرف کی توہین نہیں ہے؟

مُلّا شاہ بدخشی کا یہ شعر چوں کہ دارا شکوہ کا پسندیدہ تھا اس لیے فاضل مرتّب کے ہاں قابل اعتراض ہے (ص۶۸):

رشتۂ تسبیح ما رشتۂ زنّار شد
رُو سوی می خانہ دارد مرشد دانای ما

تقریباً اسی مضمون کے چند اشعار جامیؒ کی غزل سے ملاحظہ ہوں :

عمامہ مرا دردِ سر می دہد
بہ ہر حیلہ آن را ز سر وا کنم
ز فرقِ خودش بہر دُردی کشان
فرود آرم و دُرد پالا کنم
نہم سبحہ زانگشت و خرقہ ز پشت
بہ آن چہ کہ باید مہیّا کنم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بہ سبحہ خُرم دانہ ای چند نُقل
کہن خرقہ را رہنِ صہبا کنم[۶]

کیا ان اشعار میں عمامہ، تسبیح، خرقہ پر جو سب اسلامی تہذیب میں تقدّس کی علامات ہیں، شراب کو ترجیح نہیں دی گئی؟ مُلّا شاہ بدخشی کے ہاں تسبیح کا دھاگا زُنّار کا دھاگا ہے اور یہاں تسبیح کی بس اتنی قدر وقیمت ہے کہ شاعر اسے بیچ کر ریوڑیاں خریدنے کو ترجیح دیتاہے اور اپنا خرقہ گروی رکھ کر شراب حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ص۲۲۲: شاہ محمد غوث گوالیاریؒ (م ۹۷۰ھ / ۱۵۶۲ء) کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کی جو تصویر ان کے معاصرین نے دکھائی ہے اس سے ان کی شریعت ِ اسلامی سے آزادی و لاتعلقی کا اظہار ہوتا ہے۔ نیز سنسکرت سے فارسی میں ان کی ترجمہ کردہ کتاب *بحر الحیات* کو نا پسند کیا ہے۔ فاضل مرتّب نے یہاں ان معاصرین کے نہ تو نام لکھے ہیں اور نہ ان کی بنائی ہوئی تصویر دکھائی ہے۔ صرف مُلّا عبدالقادر بدایونی کا ان کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے: ’’چوں کہ شاہ محمد غوث ہندوؤں کی تعظیم میں اٹھ کھڑے ہوتے تھے لہذا اسے ان کی ملاقات کا اشتیاق نہ رہا اور وہ ان کی ملاقات سے محروم رہا۔‘‘ (یہاں لفظ ’’محروم‘‘ قابل غور ہے، یعنی بدایونی کو ایسے شخص سے ملاقات کا احساسِ محرومی بھی ہے)۔ بدایونی نے *منتخب التواریخ* میں شیخ گوالیاری کی کفّار کے لیے تعظیم و قیام کو اس طرح لکھا ہے کہ خدا ہی غیب کا حال جانتا ہے کہ شیخ کی اس سے کیا نیت تھی اور یہ شعر لکھ کر بات کو ختم کردیا ہے:

چون ردّ و قبول ہمہ درپردۂ غیب است
زنہار کسی رانکنی عیب کہ عیب است[۷]

فاضل مرتّب نے تذکرۂ *گلزار ابرار* میں محمد غوثی مانڈوی (۹۶۲۔وفات بعد از۱۰۲۲ھ/۱۵۵۵۔۱۶۱۳) کی شیخ محمد غوث گوالیاری کے بارے میں رائے کو نظر انداز کر دیا ہے حالاں کہ یہ تذکرہ فاضل مرتّب کے مآخذ میں شامل ہے۔*گلزار ابرار* میں مصنّف نے شیخ گوالیاری کو ’’والی ولایت محمدیہ، مہبط انوار صمدیہ، مظہر اسرار ربّانی، آیئنۂ کمالین یزدانی‘‘ کے القاب سے یاد کیا ہے اور ان کی مترجمہ *بحر الحیات* کے بارے میں لکھاہے کہ شیخ کی یہ کوشش در اصل اس کتاب کی گردن سے زنار اتار کر اسے توحید اور اسلام کی تسبیح کے دھاگے میں پرونے کے مترادف ہے اور انھوں نے حقیقی ایمان کے غلبات کی طاقت سے اسے تقلید سے چھٹکارا دلا کر صاحبِ تحقیق صوفیہ کے اذکار و اشغال کے مطابق کر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیا ہے[۸]۔

ص۲۲۶: فاضل مرتّب نے ایک فارسی عبارت کو درست نہیں سمجھا اور اس سے اپنے موقف کو مضبوط بنانے کے لیے غلط نتیجہ اخذ کیا ہے۔وہ مُلّا عبدالقادر بدایونی کی *منتخب التواریخ* کے حوالے سے شاہ محمد غوث گوالیاریؒ کے رسالۂ *معراجیہ* کا ذکر کرتے ہوے لکھتے ہیں کہ اس میں شیخ گوالیاری نے اپنے آپ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دی ہے۔ اصل فارسی عبارت سیاق و سباق کے ساتھ اس طرح ہے: ''رسالۂ شیخ محمد غوث راکہ در آنجا کیفیت معراج خود بیان کردہ، گفتہ کہ در بیداری مرا مجالسہ و مکالمہ باحضرت ربّ العزۃ عزّ شانہ واقع شد و برحضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقدیم کردند''۔ فاضل مرتّب نے فارسی عبارت ''برحضرت رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقدیم کردند'' کا ترجمہ ''انہیں (شاہ محمد غوث) کو [کذا]حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دی گئ'' کیا ہے۔'' تقدیم کردند'' کا مطلب ''فوقیت دی گئ'' نہیں بل کہ'' پیش کیا گیا'' ہے۔ یہاں قواعد زبان کے اعتبارسے فاضل مرتّب نے یہ بات بھی نظر انداز کر دی ہے کہ جب عبارت ''تقدیم کردند'' پرختم ہوئی ہے تو اس کی ضمیر کیسے شیخ کی طرف راجع ہو سکتی ہے؟ فاضل مرتّب کا کیا ہوا ترجمہ ''انہیں (شاہ محمد غوث) کو'' [کذا] بھی یہ ثابت نہیں کرتا کہ خود شیخ گوالیاری نے اپنے آپ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دی، بل کہ [معراج کے وقت جومخلوق بھی اللہ کے حضور موجودتھی] انہوں نے شیخ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فوقیت دی۔ لیکن لفظ ''تقدیم'' کے حوالے سے اصل بات یہی ہے کہ انہیں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا۔ میں یہاں غیر ضروری طوالت سے بچنے کے لیے ایک ہندوستانی فرہنگ اور ایک ایرانی فرہنگ سے ''تقدیم کردن'' کا مفہوم لکھتاہوں۔ لالہ ٹیک چندبہار نے اپنے لغت میں بذیل ''تقدیم'' لکھا ہے:'' بہ ہر دو معنی،مثل تقدمہ، و ایضا در پیش فرستادن و با لفظ ''یافتن'' و''کردن'' و''دادن'' بہ صلۂ بر مستعمل''[۹]۔ اور لفظ'' تقدمہ'' کے ضمن میں لکھا ہے: ''در پیش کردن و شدن و بہ اصطلاح زری کہ پیش از کار بہ کارگر دہند وآن را بہ فارسی ''پیشداد'' گویند'' [۱۰]۔ڈاکٹر محمد معین نے ''تقدیم کردن'' کا مفہوم تقدیم داشتن اور پیش کش کردن لکھا ہے۔ خود مفرد لفظ ''تقدیم'' میں بھی اس کا یہی مفہوم لکھا ہے: پیش کش کردن، ہدیہ دادن، پیش افکندن، فراپیش کردن، پیش انداختن، پیش کش[۱۱]۔

ص۲۷۲: فاضل مرتّب نے خواجہ محمد ہاشم کشمی کا سال وفات ۱۰۴۱ھ لکھاہے۔ یہ سال اس لیے درست نہیں ہو سکتا کہ کشمی نے اپنا رسالہ *طرق الوصول فی شریعۃ الرسول* ۱۰۴۲ھ میں تصنیف کیا ہے[۱۲]۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فاضل مرتّب نے خواجہ محمد ہاشم کشمی کے سال وفات کے تعیّن میں ایک بحث یہ کی ہے کہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان (م۲۰شعبان ۱۴۲۶ھ/۲۵ستمبر۲۰۰۵ء) ''خواجہ کشمی کے *دیوان* سے خواجہ کشمی کا تصنیف شدہ قطعۂ سال وصال ۱۰۴۳ھ نقل کر دیتے ہیں کہ خواجہ کشمی یقیناً ۱۰۴۳ ھ تک زندہ تھے'' جب کہ بقول فاضل مرتّب [ان کے زیر استعمال] *دیوان* کشمی میں اس قطعے کی عدم موجودگی اس کے الحاقی ہونے کی نشان دہی کرتی ہے۔ مجھے یہاں اس بحث کا فاضل مرتّب کی ایک اور راے سے موازنہ کرنا ہے۔ مُلاّ شاہ بدخشی سے منسوب ایک شور انگیز شعر:

پنجہ در پنجۂ خدا دارم
من چہ پروای مصطفیٰ دارم

پر بحث کرتے ہوے فاضل مرتّب لکھتے ہیں: ''بعض حضرات نے مُلاّ شاہ کے اس شعر کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ ان کے کلیّات میں شامل ہی نہیں ہے لہذا ان سے منسوب کرکے انھیں بدنام کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ بھلا مُلاّ شاہ اپنے ایسے شعر کو اپنے کلیّات میں داخل کیوں کر سکتے تھے جس کی بنیاد پر علماء نے ان کے خلاف فتویٰ دیا تھا'' (ص۶۹)۔ یعنی کشمی کے معاملے میں جو قطعہ ان کے دیوان میں نہیں ہے وہ الحاقی ہے اور بدخشی کے معاملے میں جو شعر ان کے کلیّات میں نہیں ہے وہ ضرور انھی کا ہے! اور اگر مُلاّ شاہ نے مبیّنہ شعر کو اپنے کلیّات میں شامل نہیں کیا تو کیا اس سے ان کی اس شعر سے لاتعلقی کا اظہار نہیں ہوتا؟ علی قلی خان والۂ داغستانی (۱۱۲۴۔۱۱۷۰ھ/۱۷۱۲۔۱۷۵۶ء) نے تذکرۂ *ریاض الشعراء* (فارسی) میں ''عارف ربّانی حضرت مُلاّشاہ بدخشانی'' کے حالات میں اس شعر کی ''کہانی'' بیان کی ہے، میں‌اس کا اردو ترجمہ احتیاط کے ساتھ پیش کررہا ہوں :

شاہ جہان کے عہد میں علماے دہلی نے محضر تیار کیا کہ مُلاّ شاہ نے اپنے اس بیت (پنجۂ ۰۰۰الخ) میں توہینِ رسالت کی ہے، لہذا وہ واجب القتل ہے۔ بادشاہ نے علما کا محضر لے کر اپنے پاس رکھ لیا اور کشمیر چلا گیا۔ ایک دن مُلاّ شاہ کے مکان پر جاکر ان سے ملاقات کی۔ محضر انھیں دکھایا اور پوچھا کیا یہ شعر واقعی آپ کا ہے؟ مُلاّنے فرمایا اس شعر سے شرک کی بُو آتی ہے، کیوں کہ شعر کہنے والے نے خدا اور مصطفیٰ کے درمیان تفریق کی ہے اور یہ بات میرے مذہب میں شرک ہے۔ مُلاّ کے اس صوفیانہ جواب سے شاہ جہان کا شک دور ہوگیا اور وہ ان کا معتقد ہوکر اُٹھا۔ اس کے بعد وہ جب بھی کشمیر کی سیر کو جاتا مُلاّ کی خدمت میں حاضر ہوکر سعادت حاصل کرتا۔ شاہ جہان کا بیٹا شہزادہ محمد داراشکوہ، شہزادی جہان آراء بیگم اور باقی شہزادے اور حرم کی کنیزیں بھی ان کی معتقد اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مرید ہو گئیں۔ بادشاہ کی کشمیر سے واپسی پر وہاں کے فضلاء اور لوگوں نے اجماع کیا کہ مُلّا شاہ نے بادشاہ کو [باتوں سے] مسحور کر کے اپنا گرویدہ بنا لیا ہے۔ مُلّا شاہ چون کہ الوہیت کا دعویٰ کرتا ہے لہٰذا شریعت کی رو سے ان کا خون مباح اور قتل واجب ہے۔ اسی ارادے کی تکمیل کے لیے کچھ لوگ ان کے مکان کی طرف چڑھ دوڑے۔ مُلّا شاہ کے مریدوں نے مدافعت کی کوشش کی تو مُلّا شاہ نے انھیں منع کیا اور خود اٹھ کر حجرے میں جا بیٹھے اور مریدوں سے کہا ان لوگوں کو اندر آنے دو۔ مریدوں نے ایسا ہی کیا اور آنے والوں کو حجرے کا راستہ دکھایا۔ جو کوئی حجرے کے دروازے پر آتا اور اس کی نظر مولانا پر پڑتی تو وہ ''اللہ'' کہہ کر سجدے میں گر جاتا، باقی لوگ اپنے خیال میں ایمان بچا کر چلے گئے!...... مُلّا شاہ کی اس سے بڑی کرامت اور کیا ہو گی کہ اُمّت محمدیہ کے مشرک اور اولیاے حق کے مخالف میرزا طاہر نصر آبادی نے اپنے تذکرۂ شعرا میں یہ لکھا ہے کہ شاہ جہان بادشاہ کو جسے شیطان بھی راستے سے نہیں بھٹکا سکتا تھا، مُلّا شاہ نے اپنا گرویدہ بنا لیا اور مُلّا شاہ کے اس شعر (پنجۂ۰۰۰الخ) کو ان کی ملعونیّت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ میرزا نصر آبادی نے دراصل اس طرح مُلّا شاہ کے کمال کا اثبات کیا ہے لیکن خود اس بات کو نہیں سمجھ سکا۔ وہ یوں کہ اگر شاہ جہان کو شیطان راستے سے بھٹکا سکتا تو مُلّا شاہ کا گرویدہ کیسے ہوتا؛ چون کہ شیطان سے یہ کام نہیں ہو سکا، لہٰذا مُلّا شاہ کا گرویدہ ہو گیا۔ ایک دن محمد شاہ بادشاہ کے سامنے بھی اس شعر کا تذکرہ ہوا۔ بعض امرا نے کہا کہ یہ مسعود بک کا شعر ہے، بعض نے مُلّا شاہ سے منسوب کیا اور بعض نے کسی اور سے؛ لیکن سب اس شعر کے کہنے والے کے کفر پر متفق تھے۔ راقم الحروف [والہ] ادب کی وجہ سے خاموش رہا۔ جب [حاضرین مجلس کی] بے مروّتی حدّ سے گذر گئی تو میری حمیّت اولیاے حق کی رگ پھڑکی اور کہا کہ اگر شاہی دربار کے حاضرین میں سے کوئی پرندوں اور جانوروں کی زبان سمجھتا ہے تو اشارہ کرے مجھے اس سے بات کرنا ہے۔ سب حاضرین نے یک زبان ہو کر کہا آیا کوئی بنی نوع انسان پرندوں اور جانوروں کی زبان سمجھ سکتا ہے؟ فقیر نے عرض کیا کہ وحوش بنی نوع حیوانات میں پست درجے کی مخلوق ہیں اور اولیاء اللہ تمام موجودات میں سے انبیاء کے بعد اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں؛ جب جانوروں کی زبان کو نہیں سمجھا جا سکتا تو اولیاء کی زبان کو کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟ عوام الناس کی نافہمی خواص کے کفر کا جواز نہیں بن سکتی۔ عوام الناس اس شعر سے نعوذ باللہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاعر نے توہینِ رسالت کی ہے، ایسا سمجھنا نہ صرف غلط بل کہ بات کا اُلٹ ہے۔ اس لیے کہ صوفیہ کے ہاں یہ قاعدہ ہے کہ مرید پہلے فنا فی الشیخ، پھر فنافی الرسول اور پھر فنافی اللہ ہو۔ اس میں بھی فنا فی الفنا حاصل کرے۔ ایسا شخص بقاے سرمدی پا گیا اور حدیث قدسی **ما تقرب الی المتقربون۰۰۰بی یبصر** کی حقیقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متجلّی ہوتی ہے۔ پس ایسا شخص / شاعر اپنے مقام کی خبر دے رہا ہے کہ میں ذاتِ محمدی میں فنا ہو گیا ہوں اور اس ذات کو حدیث ''من رآنی فقد رأی الحق'' کے مصداق عینِ حق دیکھتا ہوں اور ان کی مصطفویّت کے تعیّن کا پردہ میری نظر سے ہٹ چکا ہے، پس اس صورت میں اگر عوام الناس گروہ صوفیہ کا محاکمہ کرنا چاہیں تو ان کی مرضی، ورنہ اس شعر کے کہنے والے پر اربابِ سلوک کے نقطۂ نظر سے کوئی کفر یا غلطی لازم نہیں آتی... [۱۳]

فاضل مرتّب نے محمد دارا شکوہ کی قدح اور اورنگ زیب عالم گیر کی مدح میں تقریباً اپنے انھی خیالات کو دہرایا ہے جو وہ *حسنات الحرمین* (طبع لاہور، ۱۹۸۱ء) اور *لطائف المدینہ* (طبع لاہور، ۲۰۰۴ء) کے مقدمے میں پیش کر چکے ہیں۔ حضراتِ مجدّدیہ کی دارا شکوہ سے مخالفت اور اورنگ زیب کی حمایت تاریخی تناظر میں قابلِ فہم ہے اور داراشکوہ سے مخالفت محض اس کے ''افکارِ سوء'' کا معاملہ نہیں ہے۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا ہے کہ جس طرح فاضل مرتّب کے بقول ''اورنگ زیب کے لیے احترام و القاب صرف مجدّدی حضرات نے ہی نہیں لکھے بل کہ دیگر سلاسل کے صوفیہ نے جو القاب اس کے لیے لکھے ہیں وہ بھی ملاحظہ کے قابل ہیں'' (ج۱، ص ۲۰۳) اسی طرح سب حضراتِ مجدّدیہ بھی داراشکوہ کے مخالف اور اورنگ زیب کے موافق نہیں ہیں۔ ہمیں لاہور سے دمشق ہجرت کر جانے والے ایک مجدّدی مصنّف علیم اللہ بن عبدالرشید عباسی حنفی لاہوری (م۱۱۷۶ھ/۶۳-۱۷۶۲ء) کا رسالہ *دریاے روح و تتمیم نوح* پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ یہ مصنّف صوفی جمیل بیگ کے مرید تھے، وہ مرید حافظ عبدالغفور پشاوری (م۱۱۱۶ھ) کے، وہ مرید شیخ سعدی لاہوری (م ۱۱۰۸ھ) کے، وہ مرید شیخ آدم بنوڑی (م۱۰۵۳ھ) کے، وہ مرید حضرت مجدّد کے۔ انھوں نے اپنے اس رسالے میں داراشکوہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے: ''شاہ زادۂ عالی ہمت محمد داراشکوہ برادرِ اورنگ زیب عالم گیر شاہ ابن شاہ جہان کہ جامع علوّ قدر و جاہ و نائل گوہر یگانۂ معرفت الٰہ بود و او را در تصوّف و توحید رسائل و کتب است نفیسہ کہ بر دعوی صدق وی گواہ عادل می تواند بود'' اور اس کے بعد اورنگ زیب عالم گیر کے حکم سے داراشکوہ کے قتل کا واقعہ عالم گیر پر ایک گونہ تعریض کے ساتھ لکھا ہے اور ایک ایسا لطیفہ نقل کیا ہے جس میں اورنگ زیب کو ''عالم گیر'' کی بجاے ''بابا گیر'' کہا گیا ہے۔ [۱۴]

ص۲۷۸: مُلّا شیخ ابراہیم مخزنی (م ۲۹شوال ۱۰۲۱ھ/۱۶۱۲ء) کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ مولانا نظامی گنجوی صاحبِ *مخزن الاسرار* کے دو واسطوں سے شاگرد تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مولانا نظامی کا زمانہ ۵۳۰-۶۱۴ھ/۱۱۳۶-۱۲۱۷ء ہے اور مُلّا ابراہیم کا گیارہویں صدی ہجری/سترہویں صدی عیسوی؛ دو واسطوں کے لیے اتنا زیادہ بُعدِ زمانہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جلد دوّم:

یہ جلد اردو ترجمے پر مشتمل ہے۔ مترجم نے ترجمے کے لیے جو امور پیش نظر رکھے ہیں ان کا اظہار اپنے ابتدائیہ (ص۷) میں کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مترجم نے مکرر مضامین اور باتوں کو ترجمہ کرتے وقت نظر انداز کر دیا ہے اور اشعار کے معاملے میں بھی صرف ضروری اشعار کا ترجمہ کیا گیا ہے، بقول ان کے یہ ترجمہ لفظی نہیں بل کہ با محاورہ ہے اور اکثر مقامات پر سختی سے مصنّف کے الفاظ کی پیروی کی گئی ہے۔

مترجم کی ان وضاحتوں کی روشنی میں جب راقم السطور نے اس جلد کا جائزہ لیا اور اسے اصل (فارسی متن) کے ساتھ ملایا تو صورت حال مختلف اور غیر تسلّی بخش پائی۔ بعض اوقات مترجم کی ذاتی پریشانی یا وقتی کوتاہی سے کسی ایک آدھ مقام پر ترجمے میں سقم رہ سکتا ہے اور انسانی کمزوری کے پیش نظر یہ کوئی بعید بھی نہیں؛ لیکن اس ترجمے میں اسقام ہر جگہ موجود ہیں۔ میں نے اس جلد کے اوّل، وسط اور آخر کے کچھ حصّے منتخب کرکے انھیں اصل کے ساتھ ملایا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں:

الف: ترجمہ اصل کے مطابق نہیں ہے؛

ب: جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ بھی زبان و بیان اور انتخاب الفاظ کے نقطہ ٔنظر سے قابلِ رشک نہیں ہے؛

ج: بہت کچھ چھوڑ دیا گیا ہے،یہ ان مکررات کے علاوہ ہے جن کی نشان دہی مترجم نے نقطے (۰۰۰) لگاکر کی ہے؛

د: محذوفات کی ہر جگہ نشان دہی نہیں کی گئی ہے (جیسا کہ مترجم نے لکھا ہے کہ انھوں نے ایسے تمام مقامات پر نقطے (۰۰۰) لگا دیے ہیں)۔

اب اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ یہاں ''متن'' سے مراد مقاماتِ معصومی کی جلد سوم اور ''ترجمہ'' سے مراد جلد دوّم ہے۔ ہم نے بعض جگہ ترجمے پر تبصرہ کیا ہے، بعض جگہ اصل اور فاضل مرتّب کا ترجمہ نقل کر کے اپنا ترجمہ تجویز کیا ہے۔

متن/۱۶: ''حالات عجیبہ و کرامات غریبہ ۰۰۰ تواند زد'' کا ترجمہ کسی صراحت کے بغیر قلم انداز ہو گیا ہے۔

ترجمہ/۱۷،۱۸: مترجم نے مصنّف کی والدہ کا ذکر صیغۂ ماضی میں کیا ہے (سرہند میں رہیں، فرمایا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرتی تھیں، بیان کرتی تھیں، سنایا کرتی تھیں، میں مسرور ہو جاتا تھا)، جب کہ مصنّف نے ہر جگہ صیغۂ حال استعمال کیا ہے جس سے یہ بتانا بھی مقصود تھا کہ مقاماتِ معصومی کی تصنیف کے وقت وہ حیات تھیں۔ معلوم نہیں مترجم نے صیغۂ حال کو صیغۂ ماضی میں کیوں بدل دیا ہے؟

متن/۱۸: ''ہیچ کس از رجال و نساء نماندہ مگر آن جای خود بے جای گشتہ بہ صد حیرت و پشیمانی سر از پا نہ شناختہ راہ فرار اختیار کردہ''۔

ترجمہ/۱۹: ''وہاں کوئی مرد و عورت نہ رہی لیکن آپ (والدۂ مصنّف) نے وہاں سے کہیں جانا پسند نہ کیا اور نہ ہی سخت پریشانی سے گھٹنوں میں سر دیا اور نہ ہی راہ فرار اختیار کی''۔

مجوزہ ترجمہ: مرد و زن میں سے کوئی ایسا نہ تھا جو گھر سے بے گھر نہ ہوا ہو اور جس نے بصد حیرت و پشیمانی راہ فرار اختیار نہ کی ہو۔

متن/۱۸: ''ایشان خود را بر مصحف انداختند و خود را با تنزیل ازان بے دولتان پنہان ساختند۔ بہ نیازمندی کمال مجرا نمود چیزی نیاز گذرانیدند و بر تلاوت قرآن مجید تسلبھا [بدل:تسلیہا] نمودند کہ بہ جمعیت خاطر خود ہا می خواندہ باشند''۔

ترجمہ/۱۹: ''آپ نے خود کو مصحف شریف میں چھپا لیا (پردہ کرلیا)، وہ بڑی نیازمندی کے ساتھ آداب بجا لاے اور نیاز کے طور پر کچھ پیش بھی کیا اور قرآن کریم کی تلاوت کو جمعیت خاطر کے ساتھ جاری رکھا''۔

مجوزہ ترجمہ: انھوں نے خود کو قرآن مجید کے اوپر گرا لیا اور اپنے آپ کو اس طرح گرا لینے سے قرآن کو ان بے دینوں سے چھپا لیا۔ وہ بڑی نیازمندی کے ساتھ آداب بجا لاے اور نیاز کے طور پر کچھ پیش بھی کیا اور تلاوت قرآن مجید کے لیے تسلی دی تا کہ وہ جمعیت خاطر کے ساتھ قرآن پڑھتی رہیں۔

متن/۱۸: در خاتم مہر ایشان منقش بود ''بشارت فضلیان میرساند ذالک فضل اللہ''

ترجمہ/۲۰: ''آپ کا نام آپ کی مہر میں اس طرح منقوش ہے ''**ذالک فضل الله**''۔

مترجم نے سجع کی آدھی عبارت چھوڑ دی ہے۔

متن/۲۲: ''روزی [ناصر علی سرہندی] بہ پور مہینہ خویش ۰۰۰ را نصیحت پیش گرفتہ و این سخنان باو خاطر نشان می نمود کہ ہر چہ از معاصی صغائر و کبائر از تو بہ ظہور آید آن را گناہ دانستہ تدارک کفارت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

او نہاد بہ روضۂ مطہرۂ حضرت ایشان خواہی نمود اما ازان روضۂ منورہ روی نیاز نہ خواہی گذرانید کہ کفر ہمین است، کفر ہمین است، کفر ہمین است''۔

ترجمہ/۲۳: ''ایک روز ••• [ناصر علی سرہندی نے] اپنے بڑے بیٹے (علی عظیم) ••• کو یہ نصیحت کی اور ان کی ان باتوں سے یہ نشان دہی ہوئی کہ اگرچہ چھوٹے بڑے سب گناہوں سے توبہ کی توفیق میسر آچکی ہے، لیکن پھر بھی گناہوں کی کفارت حضرت خواجہ کے روضۂ منورہ سے کرنی چاہیے، اگر روضۂ مطہر ہ سے نیازمندی کا اظہار نہ کیا جاے تو یہی کفر ہے''۔

مجوزہ ترجمہ: ایک روز••• [ناصر علی سرہندی نے] اپنے بڑے بیٹے (علی عظیم) ••• کو یہ نصیحت کی اور اسے یہ بات سمجھائی کہ تم سے جو چھوٹے بڑے گناہ سرزد ہوں گے انھیں گناہ ہی سمجھنا اور ان کے کفارے کے لیے حضرت خواجہ کے روضۂ مطہرہ سے رجوع کرنا ہوگا، اگر تم ان کے روضۂ منورہ سے نیازمندی کا اظہار نہیں کرو گے تو یہی کفر ہے، یہی کفر ہے، یہی کفر ہے۔

متن/۱۴۴: خوب در حافظہ نماندہ کہ ••• چنانچہ از جناب حضر ت مجدّ د •••مسموع گشتہ و یا خارجِ نماز می خواندند••• ہمون حکم مسجد گرفتہ بوذ''۔

ترجمہ/۱۸۱: ''میرے حافظے میں یہ بات اچھی طرح ہے •••چنانچہ حضر ت مجدّ د ••• کی طرف سے سنا ہے یا نماز سے خارج ہونے کے بعد پڑھتے تھے''۔

مجوزہ ترجمہ: ٹھیک سے میرے حافظے میں یہ بات نہیں ہے کہ••• جیسا کہ حضر ت مجدّ د ••• سے سنا ہے؛ یا نماز سے باہر پڑھتے تھے۔

مترجم نے ''ہمون حکم مسجد گرفتہ بوذ'' کا ترجمہ قلم انداز کر دیا ہے۔

متن/۲۱۸: بادشاہ خلد مکان در بلدۂ اکبر آباد در موسم برشگال بہ قصد شکار بالای کشتی آب جمنہ در عین طغیان آب سوار گردیدہ روانہ شدند۔ پدرش با یکی از کلان تر آن کفار نکون [کذا] سار اسپان را بجہت استعجال مجرا در دریا انداختہ، جملۃ الملکی اسد خان کہ درآن وقت مکس [کذا] بادشاہ تیر انداز دور دیدہ بہ عرض پایۂ خلافت رسانید، باشارت دست منع بلیغ نمودند کہ وقت جہالت نیست، مجرای شما شد، ازین جا بر گردیدہ شجاعت و جوانمردی را کار فرمودہ قبول اشارت نہ نمودہ متوجہ پیش شدند۔ چون وسط بحر رسیدہ ناگاہ موجی تند از روی شمال بہ قسمی می رسد کہ از خانہ [کذا] زین جداساختہ غریق قلزم می گرداند۔ در عین فرو بردن آب در خاطر پدر خانِ مذکور یاد حضرت ایشان جوش می زند۔ می بیند کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاضراندومی فرمایند کہ ورزش ذکر نفی و اثبات داری حبس نفس نمودہ بآن ذکر مشغول می بود۔ علی بند پسر را بریدہ بہ گذار [کذا]۔ ہمچنان کرد، پسر بالای آب می شود، بادشاہ کشتی را ایستادہ کردہ بہ غواصان و آب بازان حکم فرمودہ بود کہ اگر این مقل [کذا؛ نسخہ بدل: معل(کذا)] را بر آرید مستحق چندین انعام می گردید''۔

ترجمہ/۲۸۸: ''موسم برسات میں اورنگ زیب اکبر آباد میں شکار کی غرض سے دریاے جمنا میں سخت طغیانی کے دوران کشتی پر سوار ہو کر نکلے تو اس وقت ایک کافر بدبخت نہایت تیزی کے ساتھ آداب مجرا کے لیے دریا میں چلا گیا۔ جملۃ الملکی اسد خان، جو کہ بادشاہ کی نگرانی پر مقرر تھا، اسے منع کیا، لیکن وہ نہ مانا تو خان مذکور (کے والد نے اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیا) وہ گھوڑے کی زین سے الگ ہو کر دریا کے وسط میں شمال سے آنے والی ایک تند موج کی زد میں آکر غرق ہونے لگا تو اس وقت اس کے ذہن میں حضرت خواجہ کی یاد آئی، اس نے دیکھا کہ حضرت حاضر ہیں اور فرماتے ہیں کہ فوراً نفی و اثبات کا ذکر حبس نفس کے ساتھ کرو۔ اس نے ایسا ہی کیا تو وہ پانی کے اوپر آ گیا۔ بادشاہ نے کشتی کو سیدھا کیا اور غوطہ خوروں کو حکم دیا کہ اس مغل کو باہر نکال لائیں تو انعام کے مستحق ہوں گے''۔

اصل کو سامنے رکھتے ہوے، اس ترجمے پر کسی قسم کے تبصرے کی ضرورت نہیں ہے۔مزید تعجب ہے کہ مترجم نے متن کی مہمل عبارتوں (جیسے: درآن وقت مکس بادشاہ تیرانداز دور دیدہ ؛ از خانہ زین جداساختہ ؛ علی بند پسر را بریدہ بہ گذار؛ گر این مقل را بر آرید) کا ترجمہ بھی صفائی سے کردیاہے!

متن/۲۲۰: ''گرسنگی با تشنگی مرافقت ورزیدہ''۔

ترجمہ/۲۹۰: بھوک اور پیاس میری عادت کا حصہ بن گئی تھیں''۔

مجوزہ ترجمہ: بھوک کے ساتھ پیاس بھی آ ملی۔

متن/۲۶۷: ''آن قدر غلبۂ تستر مرا در خوف انداختہ است کہ در نوشتن این قدر اسرار ہم آیا مرضی اظہار باشد یا نہ؟''

ترجمہ/۳۴۶: ''(فرماتے تھے کہ) کہ [کذا] ستر حال کے اس قدر غلبے نے مجھ میں اس امر کا خوف پیدا کر دیا ہے کہ کہیں اتنے اسرار کا لکھنا (اللہ تعالی) کی رضا ہے یا نہیں؟''

یہاں ''فرماتے تھے'' کا اضافہ کر کے مترجم نے یہ تاثر دیا ہے گویا یہ شیخ صبغت اللہ کا بیان ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حالاں کہ یہ خود مصنّف کا اپنا بیان ہے۔ مترجم نے جس امر کو اللہ تعالی کی رضا یا عدم رضا پر محمول کیا ہے، وہ دراصل شیخ صبغت اللہ کی رضا یا عدم رضا پر محمول کیا جانا چاہیے تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ شیخ صبغت اللہ ستر احوال کا اہتمام کرتے تھے، مصنّف نے ان کے حالات مقاماتِ معصومی اور معدن الجواہر میں رقم کیے ہیں، لیکن ساتھ ہی انھیں خوف تھا کہ ان کے حالات لکھنا شاید شیخ کی مرضی کے خلاف ہو۔

متن/۲۶۷: ''بر فرق شما یافت، مانا کہ درحین نزول ملہم گردیدہ کہ''۔

ترجمہ: ''ہاں وہ نزول کے دوران مدھم ہو گیا تھا''۔

''برفرق شما یافت'' کا ترجمہ قلم انداز ہے اور بقیہ جملے کا ترجمہ سراسر غلط ہے، ترجمہ یوں ہونا چاہیے: ''جیسے نزول کے دوران الہام ہوا کہ''۔

متن/۲۷۳: ''چہ مرضی القلوب در ہر وقتی از اوقات انبیاء و اولیاء گشتہ اند'' کا ترجمہ قلم انداز ہوا ہے۔

متن/۲۷۴: ''استفسارِ وقت طعام نمودند، عرض کردم: چاشت گاہ، فرمودند ہمان وقت چیزی خواہد رسید۰۰۰اشتہا برگشتہ''۔

ترجمہ/۳۵۶: ''مجھ سے کھانے کا وقت دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا کہ صبح کا ناشتا، اس پر فرمانے لگے کہ ابھی کچھ نہ کچھ آنے والا ہے ۰۰۰ بھوک پوری شدت اختیار کر گئی''۔

مجوزہ ترجمہ: مجھ سے کھانے کا وقت دریافت فرمایا تو میں نے عرض کیا :چاشت کے وقت، فرمایا: ٹھیک ہے، اسی وقت کچھ نہ کچھ آ جاے گا۰۰۰بھوک بالکل مٹ گئی۔

متن/۲۷۵: ''اصلا قصد از گذشتاندن نیاز ملحوظ مطلبی نہ بودہ''۔

ترجمہ/۳۵۸: ''در اصل اس کا نیاز پیش کرنا محض مطلب کے لیے تھا''۔

مترجم نے الٹ ترجمہ کیا ہے۔

مجوزہ ترجمہ: نیاز پیش کرنے کا مقصد در اصل کسی مطلب کے لیے نہ تھا۔

متن/۳۸۳: ''یک بار قبلۂ ابرار متوجہ باجوڑ بودند، روزی کہ [بہ] آب نہر کہ یک مرحلہ از باجوڑ این طرف باشد، رسیدند۰۰۰ فردالیش بہ منّت داری تمام مقام کنانیدہ معروض داشتند کہ این قریہ بالای

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوہی است…متصل این دیہ نہری بود…بہ فرحت شکر گویان برخاستند…چند روزدیگر مقام کنانیدہ رخصتِ باجوڑ نمودند''۔

ترجمہ/۵۰۰: ''ایک بار وہ قبلۂ ابرار… باجوڑ گئے، وہاں ایک روز آپ اس نہر کی طرف بھی گئے جو (قصبہ باجوڑ سے) ایک مرحلہ کے فاصلہ پر تھی… عرض کیا یہ قصبہ پہاڑ کے اوپر واقع ہے… اس کے قریب واقع ایک گاؤں میں نہر بہتی تھی… شکر گزار حضرات کو خوشی ہوئی… حضرت وہاں مزید چند روز قیام کرکے وہاں سے واپس تشریف لائے''۔

مذکورہ بالا ترجمے سے یہ تاثر ملتا ہے گویا یہ سارا واقعہ باجوڑ میں پیش آیا، حالاں کہ یہ باجوڑ سے ایک منزل پہلے مقام پر پیش آیا۔

مجوزہ ترجمہ: ایک بار وہ قبلۂ ابرار باجوڑ کی طرف جا رہے تھے، جس روز آپ اس نہر پر پہنچے جو باجوڑ سے ایک مرحلے کے فاصلے پر اِس طرف واقع ہے… اگلے روز انھیں بالاصرار ٹھہرا کر عرض کیا کہ یہ گاؤں پہاڑ کے اوپر ہے… اس گاؤں سے متصل ایک نہر بہتی تھی… خوشی سے شکر ادا کرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے… حضرت کو وہاں مزید چند روز ٹھہرایا اور پھر باجوڑ کے لیے رخصت کیا۔

متن/۴۰۵: ''والدۂ ماجدۂ ایشان در رؤیای صالحہ کہ جزوی است از اجزای نبوّت، خود را بہ شانِ تمام امامِ جمعی از خلائق دیدہ۔ بامداد بعرض حضرت مجدّد… رسانیدہ تا بہ احسن تعبیر مژدۂ دولت افزا فرمایند''۔

ترجمہ/۵۲۹: ''ان کی والدہ ماجدہ نے ایک نیک خواب دیکھا کہ اجزاے نبوت میں سے ایک جز نے خود ہی کامل شان کے ساتھ امام جمعہ کی طرف دنیا میں ظہور کیا ہے۔ انھوں نے حضرت مجدّد… کی خدمت میں عرض کی تاکہ آپ اس کی کوئی اچھی سی تعبیر بتا کر آنے والی دولت کی خوشخبری سنائیں''۔

مذکورہ ترجمے میں مترجم نے ایک جملۂ معترضہ کو اصلِ مطلب قرار دے کر مفہوم کچھ سے کچھ بنا دیا ہے۔ مصنّف نے رؤیاے صالحہ (نیک خواب) کی تعریف میں لکھا ہے کہ یہ اجزاے نبوّت میں سے ایک جُز ہے۔

مجوزہ ترجمہ: ان کی والدہ ماجدہ نے ایک نیک خواب میں-جو اجزاے نبوّت میں سے ایک جُز ہے- خود کو تمام شان کے ساتھ خلقت کا امام دیکھا، اگلی صبح یہ خواب حضرت مجدّد… کی خدمت میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنایا تا کہ وہ کوئی اچھی سی تعبیر کر کے سعادت افزا خوشخبری سنائیں۔

متن/۴۱۵: ''گویند در شدت آزار کہ ہمان روز یا یک روز بعد رحلت ازین دار فرمودند، نبیرۂ ایشان شیخ انوار اللہ بہ امید اخذ فوائد جدیدہ در خدمت پُر بہجت از حضرت سرہند رسیدند و فرمودند: بی خبر !دیر رسیدی، درِ منزل بستند۔ و فرزند اکبر ایشان ••• شیخ ابو حنیف در آن روز کہ تابوت شریف ایشان بہ پانی پت می رفت، در اثناء طریق در خورد، چہ آن معرفت آگاہ بہ قصد ملازمتِ والد بزرگوار خود متوجہ شاہ جہان بودہ''۔

ترجمہ/۵۴۲: ''کہتے ہیں کہ مرض کی شدت کے باعث اسی روز یا وفات سے ایک روز بعد آپ کے پوتے شیخ انوار اللہ فوائد جدیدہ حاصل کرنے کی غرض سے سرہند شریف سے روانہ ہوے کہ آپ کی خدمت میں جاوں، فرمانے لگے کہ بے خبر دیر سے آیا ہے، وہ پہلی منزل پر ہی رک گئے۔ آپ کے بڑے بیٹے••• شیخ ابو حنیف اس روز آپ کا تابوت شریف لے کر پانی پت پہنچ چکے تھے وہ معرفت دستگاہ اپنے والد سے ملاقات کے لیے شاہ جہان آباد کا قصد رکھتے تھے''۔

یہ ترجمہ کس قدر نفسِ مضمون سے دُور اور مصنّف کے منشاء کے برخلاف ہے۔ زیرِ بحث عبارت میں شیخ عبدالاحد وحدت شاہ گل کا تذکرہ ہے اور انہی کے شدتِ مرض کی بات ہو رہی ہے جسے مترجم نے ان کے پوتے کی طرف منتقل کر دیاہے۔ ''وہ پہلی منزل پر ہی رک گئے'' فارسی عبارت ''درِ منزل بستند'' کا عجیب و غریب ترجمہ ہے۔ مترجم نے شیخ عبدالاحد کے بڑے بیٹے کو آپ کا تابوت لے کر پانی پت جاتے ہوے بتایا ہے اور ساتھ یہ جملہ بھی اضافہ کیا ہے کہ وہ اپنے والد سے ملاقات کرنے شاہ جہان آباد جانا چاہتے تھے، تو اس عبارت کا کیا مفہوم نکلا؟

مجوّزہ ترجمہ: کہتے ہیں کہ [شیخ عبدالاحد کی] بیماری کی شدّت [مرض الموت کی شدّت بھی ترجمہ ہو سکتا ہے] میں-اسی روز یا اس سے ایک روز بعد انتقال فرمایا-ان کے پوتے شیخ انواراللہ ان سے فوائد جدیدہ حاصل کرنے کی امید سے سرہند شریف سے [شاہ جہان آباد] پہنچے۔ شیخ عبد الاحد نے فرمایا: بے خبر! دیر سے پہنچے ہو، گھر کا دروازہ بند کیا جا چکا ہے [یعنی ان کا وقت قریب آ گیا ہے] اور ان کے بڑے بیٹے••• جس روز شیخ عبدالاحد کا تابوت شریف پانی پت لے جایا جارہا تھا، راستے میں مل گئے، کیوں کہ وہ اپنے والد بزگوارسے ملاقات کی غرض سے شاہ جہان آباد جا رہے تھے۔

متن/۴۱۵: ''آری صاحب خندیدند۔فرمودند بہ قَسم مؤکد سازید! آنہا قسم خوردند۔ من ہم گفتم کہ خندۂ صاحب در وقت متصل گشتن بہ تابوت ہمن ہم دریافتہ بودم''۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ترجمہ/۵۴۲: ''دیکھو صاحب ہنس رہے ہیں۔ میں نے بھی تصدیق کی کہ ہنسی تابوت میں سے آرہی ہے''۔

مجوّزہ ترجمہ: ہاں! صاحب ہنسے تھے۔فرمایا: قسم کھاکر بتاو! انھوں نے قسم کھائی۔ میں نے بھی کہا کہ تابوت سے متصل ہوتے وقت میں نے بھی صاحب کی ہنسی سنی تھی۔

بعض مقامات پر مترجم نے ترجمہ اس قدر لفظی کیا ہے کہ سارا لطف غارت ہو جاتا ہے۔ حالاں کہ وہ با محاورہ ترجمے کے مدّعی ہیں۔ یہ مثال ملاحظہ ہو:

متن/۴۵۳: ''بہ کلبۂ احزان تشریفِ شریف ارزانی داشتند••• از ہر دو مرقد مبارک عنایات مفہوم گردیدہ کہ بیان تفصیل آن بی اجازت ملائم نیست''۔

ترجمہ/۵۹۱: ''آپ اس حزن کے شہر میں تشریف فرما ہوے••• دونوں مزارات ••• سے عنایات کا مفہوم ہوا جن کی اجازت کے بغیر تفصیل بیان کرنا نامناسب نہیں ہے''۔

یہاں ''کلبۂ احزان'' در اصل شیخ محمد باقر لاہوری کے گھر کی طرف اشارہ ہے جس کا ترجمہ ''حزن کا شہر'' کیا گیا ہے۔ بقیہ ترجمے کا گنجلک پن خود عیاں ہے۔

متن/۴۸۲: ''وی در کسوت ِ دولت،معرفت بدست آورد''۔

ترجمہ/۶۲۱: ''(میر رفعت بیگ کو) معرفت کی دولت میسر آگئی''۔

مصنّف کی تاکید اس بات پر ہے کہ میر رفعت بیگ نے ''کسوتِ دولت'' [شاہی لباس/شاہی ملازمت] کے باوجود معرفت حاصل کی۔ مترجم نے ''کسوتِ دولت'' کوقلم انداز کیا ہے اور ''دولت'' کو ''معرفت'' کے ساتھ ملا دیا ہے۔

متن/۴۸۲: ''بہ خاطر یکی از خلفاء- کہ ذکر او در کنز آئندہ مشروح گردد- قرار گرفت کہ در تحت قلم درآید و فتح خزینہ آن عزیز بہ قدر حوصلہ و دریافت خود نماید، در این اثنا گونہ غیبتی روی داد کہ بہ انواع لذات آراستہ و ہر لذتی از غایت لطافت و با نشاۃ بی کیفی ساختہ می شد کہ حضرت ایشان تشریف حضور بہ کمال عنایت و سرُور دارند و یکی از مخلصان بہ لباس فاخرہ بہ صورت مغلیہ حاضر۔بعد از مکالمات قدسیہ در فضل این مقامات بہ زبان مبارک آوردہ و بہ بشارات عمدہ راقم آن را نواختہ می فرمایند کہ رفعت بیگ از یاران مخصوص است و ہمہ وقت حاضر الخدمت بہ کمال حلاوت می باشد، چنانچہ حالا ہم رفیق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

است و اشارت بہ آن مغل می نمایند کہ ہمین است و بہ فنا و بقا رسیدہ و از ظل بہ اصل رویدہ [؟]، کار را باعتبار رسانیدہ چرا در این کنز احوال وی مشروح نہ شود و اگر زیادتی معلوم شما نہ باشد۔ پس نقل یک مکتوبی از مکتوبات شریفہ کہ بنام وی اند باید برداشت کہ از مریدان قدیمی است و رفعت بیگ ہم [با]بشاشت و فرخندگی جانب فقیر منکریست [کذا: بنگریست] و التماس بحضرت ایشان می نمود کہ این فدوی را لیاقت آن مرتبہ کجااست کہ در خلفاء والا مقام معدوم [کذا:معدود] شوم، می فرمایند کہ شما از مقبولان احباب مایند [کذا:مایید]۔ ازین قبیل امور دیگر ہم مفہوم گردید، پس باعتبار این معلوم گردید کہ دیدِ ہرکس بر صاحب معاملہ حجت است، ترقیم این احوال از واجبات امتثال گشت''۔

ترجمہ/۴۸۲: ''ایک مرتبہ حضرت خواجہ کمال سرُور میں تھے کہ ایک مخلص مغلوں کی صورت میں لباس شاہانہ (فاخرہ) میں حاضر ہوا، مکالمات قدسیہ کے بعد اس نے ان مقامات (کتاب حاضر) کے فضل کے بارے میں بیان شروع کیا اور اس راقم (مؤلف) کو عمدہ بشارتوں سے نوازا، پھر فرمایا کہ میں رفعت بیگ حضرت خواجہ کے اصحاب مخصوص میں سے ہوں، پھر اپنی طرف اشارہ کرتے ہوے فرمایا کہ وہ مغل جو فنا و بقا تک پہنچا ہے میں ہی ہوں، پھر ظل سے اصل کی طرف آئے اور اعتبار حاصل کیا••••• اس لیے ان کے نام مکتوب شریفہ میں ایک مکتوب یہاں نقل کر رہا ہوں ••• انکسار کرتے ہوے فرمایا••• تم (مؤلف) میرے مقبول احباب میں سے ہو''۔

مترجم نے فارسی عبارت کا ترجمہ کرتے وقت کچھ جملوں کو قلم انداز کر دیا ہے اور بقیہ عبارت میں بھی ایسا اسلوب اپنایا ہے جو مقصودِ مصنّف نہیں ہے۔ مثلاً ترجمے میں بتایا گیا ہے کہ اس مغل نے مقامات (کتاب حاضر) کی تعریف کی، حالاں کہ یہ تعریف خواجہ محمد معصوم کہ زبان سے ہے؛ مترجم نے رفعت بیگ کی زبان سے کہلوایا ہے کہ وہ رفعت بیگ ہے اور حضرت خواجہ کے اصحاب میں سے ہے، جب کہ اصل میں خواجہ محمد معصوم مصنّف کو بتا رہے ہیں کہ یہ رفعت بیگ ہے اور ہمارے اصحاب میں سے ہے؛ ''انکسار کرتے ہوے فرمایا'' مترجم نے اس جملے کا مخاطب مصنّف کو رکھاہے، جب کہ اس کے مخاطب خواجہ محمد معصوم ہیں؛ ''تم (مؤلف) میرے مقبول احباب میں سے ہو'' یہاں بھی مترجم نے ''تم'' کا مخاطب غلط قرار دیا ہے۔ تم سے مراد یہاں رفعت بیگ ہیں۔

جلد سوم:

یہ جلد فارسی متن پر مبنی ہے اور اصلِ کار ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا فاضل مرتّب نے دو قلمی نسخوں کا تقابل کیا ہے۔ بقول مرتّب دونوں نسخے کتابت کی غلطیوں سے پُر ہیں جن کی نشان دہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقابل کے دوران کر دی گئی ہے (جلد ا، ص۳۷۷)۔ مغلوط نسخوں کی بنیاد پر کسی متن کی تدوین و تصحیح میں جو مشکلات پائی جاتی ہیں وہ اس نوعیت کا کام کرنے والوں پر عیاں ہیں۔ یہ مشکل اس وقت دو گونہ ہو جاتی ہے جب اسی مغلوط متن سے ترجمہ بھی کرنا ہو۔ فاضل مرتّب نے اگرچہ مقاماتِ معصومی کے فارسی متن کی تدوین میں اپنی بہترین کوشش صرف کی ہے، لیکن چند ایک بدیہی باتوں کو نظر انداز کر دیا ہے، جیسے:

الف۔ پوری کتاب میں کہیں رموز اوقاف (punctuation) کا اہتمام نہیں ہوا ہے اور فاضل مرتّب بغیر نقطۂ اختتام (period) کے عبارتیں مسلسل لکھتے چلے گئے ہیں۔جدید دور میں رموز اوقاف کے بغیر کتاب مرتّب کرنا مخطوطہ نویسی کے دور کی یاد دلا تاہے جب کاتب نہ پیرا بندی کرتے تھے، نہ رموز اوقاف سے کام لیتے تھے۔ فاضل مرتّب کو اس کا اہتمام کرنا چاہیے تھا۔ یہاں ایک نمونہ پر اکتفا کیا جاتاہے:

''روزی حضرت ایشان ••• در ایام خرد سالی حضرت والدۂ ماجدۂ راقم سیاہ کار را سلمہا ربہّا پرسیدند کہ از دادہ چہ بہتر باز خود جواب تعلیم فرمودند بگوکہ گفتا کہ طعام باز پرسیدند کہ از نادادہ چہ بہتر باز خود تلقین جواب فرمودند کہ بگو گفتادشنام باز پرسیدند کہ از خوردہ چہ بہتر خود تعلیم جواب فرمودندبگو کہ گفتا کہ غضب باز پرسیدند کہ نادادہ چہ بہترباز جواب آن تلقین فرمودند بگو گفتا کہ حرام من حیث المجموع چنان می شود از دادہ چہ بہتر گفتا کہ طعام نادادہ چہ بہترگفتا دشنام از خوردہ چہ بہتر گفتا کہ غضب ناخوردہ چہ بہتر گفتا کہ حرام''۔

اسی پیراگراف کو رموز اوقاف کے ساتھ اس طرح پیش کیا جا سکتاہے:

روزی حضرت ایشان •••درایام خُرد سالی حضرت والدۂ ماجدۂ راقم سیاہ کار را -سلمہاربہّا-پرسیدند کہ از دادہ چہ بہتر؟ باز خود جواب تعلیم فرمودند: بگوکہ گفتا کہ طعام۔باز پرسیدند کہ از نادادہ چہ بہتر؟ باز خود تلقین جواب فرمودندکہ بگو گفتا دشنام۔ باز پرسیدند کہ از خوردہ چہ بہتر؟ خودتعلیم جواب فرمودند: بگو کہ گفتا کہ غضب۔باز پرسیدند کہ نادادہ چہ بہتر؟ بازجواب آن تلقین فرمودند: بگو گفتا کہ حرام۔ من حیث المجموع چنان می شود: از دادہ چہ بہتر؟ گفتا کہ طعام؛ نادادہ چہ بہتر؟ گفتا: دشنام؛ از خوردہ چہ بہتر؟ گفتا کہ غضب؛ ناخوردہ چہ بہتر؟ گفتا کہ حرام۔

ب۔ فارسی افعال سے پہلے ''بہ'' کو زیادہ تر الگ لکھا ہے، جیسے: بہ گذار (۲۱۸)؛ بہ خورند و بہ خسپید (۲۶۶)، بہ روند (۳۸۳) یہ ہمارے قدما کی روش ہے، اب ''بہ/ب'' کوفعل کے ساتھ ملا کر لکھا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جاتاہے: بگذار؛ بخورند، بخسپید، بروند۔

ج۔ نون نفی [ن] کو افعال سے متصّل ہونا چاہیے، اس کا خیال بھی نہیں رکھا گیا اور فاضل مرتّب نے قدما کی روش کے مطابق اسے ''نہ'' کی صورت میں علیحدہ لکھاہے، جیسے: نہ شناختہ(۱۸)

د۔ پوری کتاب میں نونِ اعلان کو نونِ غنّہ کتابت کروایا گیا ہے۔ص۵ سے چند مثالیں: چناں؛ ازیں؛ ہماں؛ تواں، دریں، رسولاں، قبولاں۔میں اس کی وجہ نہیں سمجھ سکا،قلمی نسخوں میں تو ایسا نہیں تھا۔ اگر یہ طریقہ برّصغیر یا اردو کے موجودہ تلفّظ کے زیر اثر اختیار کیا گیا ہے تب بھی صحیح نہیں ہے۔

ھ۔ بعض جگہ اضافت کے لیے ہمزہ (ء) استعمال کیا گیا ہے، مثلا: توجۂ حضرت (۲۵۹)؛ معنیٔ بقا (۳۳۹)؛ عاصیٔ دل (۳۴۲)؛ عاصیٔ دور از کار (۳۴۷)؛ سواریٔ فیل (۳۶۵)؛ رباعیٔ عربی (۳۹۱)۔ اس طرح کی اضافتیں باقی جلدوں میں بھی موجود ہیں مثلا: تجلیٔ ذات (۳۹۲/۴)۔ یہ املا غلط ہے۔ایسے تمام مقامات پر کسرہ(ِ)درکار ہے۔

و۔ ایک ایسا فارسی متن جو بارہویں صدی کے اوائل میں تصنیف ہوا اور قدامتِ زبان کے اعتبار سے چنداں اہمیت نہیں رکھتا، تقابل کے دوران حاشیے میں اس کے نسخوں سے کتابت کی اغلاط کی نشان دہی/اختلاف نسخ کااہتمام بے سود ہے۔ کاتبوں کے واضح سہو ہاے قلم کو حاشیے میں دہرانا کسی علمی مشکل کا حل نہیں ہے۔ مثلا:

ص۲۱۸ پر متن میں ایک لفظ ''مقل'' کتابت ہوا ہے اور اختلاف نسخہ میں ''معل'' دیا ہے؛ یہ دونوں سہو کتابت اور بے معنی ہیں، فاضل مرتب نے جلد دوم میں اسی لفظ کا ترجمہ ''مغل'' کیا ہے گویا یہ نہ ''مقل'' ہے نہ ''معل'' بل کہ ''مغل'' ہے،اگر ایسا ہی تھا تو اسے متن میں رکھا جاتا اور حاشیے میں کاتبوں کے سہوقلم کی طرف اشارہ کردیا جاتا۔

ص۴۲۷ پر متن میں ''بُزی ''(بکری) صحیح لفظ موجود ہے، حاشیے میں اس کا نسخہ بدل ''بذی'' دیا گیا ہے! جومحض کتابت کی غلطی ہے۔

ص۳۲۹ پر متن میں ایک نام علی مردان خان آیا ہے اور یہی صحیح ہے، لیکن حاشیے میں ایک مہمل نام ''علی مران'' بدل کے طور پر دکھایا گیا ہے!

ایسے نسخہ بدل کسی قدیم لغت یا قدیم کتابت شدہ نسخے یا بہت قدیم متن کے بارے میں تو مفید ہو سکتے ہیں جس سے شاید ماہرین لسانیات کو تلفظ یا لہجے سے متعلق کوئی نیا نکتہ ملنے کا امکان ہو، لیکن جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثالیں ہم نے پیش کی ہیں (اور مزید بھی پیش کی جا سکتی ہیں) وہ سب مہملات کے زمرے میں آتی ہیں اور ان سے کسی قسم کا کوئی علمی فائدہ مترتّب نہیں ہو تا۔

اب تصحیح متن کا ایک جائزہ لیتے ہیں اور کچھ ایسے مقامات کی نشان دہی کرتے ہیں جو ہمارے خیال میں فاضل مرتّب نے ٹھیک طرح نہیں پڑھے یا اِس ایڈیشن کے کاتب کا سہوِ قلم ہے اور پروف خوانی میں نظر سے اوجھل رہے ہیں۔ فاضل مرتّب نے جن قلمی نسخوں سے استفادہ کیا ہے وہ میرے سامنے نہیں ہیں، اس لیے میری تمام تصحیحات قیاسی ہیں۔ اہل علم ان پر غور فرمائیں گے تو شاید میری تائید کریں گے:

ص۱۹: مصنّف نے اپنی ایک کتاب *منظر اولوالالباب* کا ذکر کیا ہے اور اس رعایت سے اس کے ابواب کو ''منظر'' کا نام دیا ہو گا لیکن کتاب میں '' منتظر'' (منتظرِ ششم) کتابت ہوا ہے۔

ص۱۹۳: ''اخلاف و اراذل'' ؛اجلاف و اراذل صحیح ہے۔ اجلاف، جِلف کی جمع ہے یعنی کمینہ؛ مترجم نے اس کا ترجمہ ''نا خلف'' کیا ہے (۲۵۲/۲)

ص۱۹۴: ''خبر عیال می گزند''؛ خبر عیال می گیرند صحیح ہے۔

ص۱۹۶: اس شعر میں ایک لفظ دو بار غلط پڑھا گیا ہے:

بس کبر کہ از کرم مسلمان کردی
یک گیر دگر کنی مسلمان چہ شود

شعر کی صحیح صورت یہ ہے:

بس گبر کہ از کرم مسلمان کردی
یک گبر دگر کنی مسلمان چہ شود

ص۲۱۰: ''وجود مخارج پر یسار''؛ وجوہ مخارج صحیح ہے، دوسرا لفظ اگر ''پر بسیار'' پڑھا جاے تب بھی صحیح معلوم نہیں ہوتا۔معلوم نہیں کیا لفظ تھا اور کیا پڑھا گیا؟

ص۲۱۲: ''چند روز براں گزشتہ بوذ''؛ ہمارے ہاں اردو پڑھے لوگ فارسی مصدر ''گذشتن'' سے مشتق تمام الفاظ عام طور پر ''زاء'' کے ساتھ لکھتے ہیں (مشتاق یوسفی کی مشہور کتاب کا سر ورق: زر گزشت؛ اور اسی وزن پر سرگزشت) حالاں کہ فارسی میں زاء کے ساتھ '' گزشتن'' مصدر موجود نہیں ہے۔ البتہ ''گزاشتن'' مصدر اور اس کی دوسری شکل ''گزاردن'' موجود ہے جس کا مفہوم انجام دینا، ادا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرنا، بیان کرنا ہے۔ ''گزارش'' اسی سے مشتق ہے۔'' گذشتہ'' لکھنا چاہیے۔

ص۲۱۲: ''دست از جانِ خود شستہ بہ فراید''؛ شاید یہاں ''فرود آید'' کا مقام ہے۔ آگے چل کر اسی صفحہ پر آیا ہے: ''احدی ہم از جہاز برای راندن ظہور فرود نیامدہ''، البتہ اس جملے میں ''طیور'' ہونا چاہیے کیوں کہ واقعہ پرندے اڑانے سے متعلق ہے۔

ص۲۱۳: ''شما در نیاز ما چرا نصف نمودند''؛ یہ جملہ قواعد زبان سے ساقط ہے، ''شما'' کے لیے فعل ''نمودید'' ہونا چاہیے، لیکن ایسا کرنے سے بھی جملے کا سقم ''در'' کی وجہ سے باقی رہتا ہے، میرا قیاس ہے کہ یہ جملہ ''شمارِ نیاز ما چرا نصف نمودند'' ہے یعنی ہمارے لیے جو نیاز مقرر کی گئی تھی اس کا شمار آدھا کیوں کیا گیا ہے (خود مترجم نے بھی اس کا ترجمہ یہی کیا ہے، ج۲، ص۲۸۱)۔ اس کے بعد کا جملہ بھی سقیم ہے ''و از ربع بہ ثمن دویدند''، اگرچہ مترجم نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: ''اور چوتھے حصّے کے بجاے آٹھواں کر دیا ہے''، لیکن فارسی متن میں ''دویدند'' ناقابل فہم ہے۔ اسی واقعہ کو بیان کرتے ہوے لکھا ہے: ''میر مذکور عرض رسانید کہ اہلیہ فدوی... ادا خواہد نمود کہ اگر از ماما ...الخ''، میرا قیاس ہے کہ یہاں ''نمود'' کہ بعد کچھ الفاظ چھوٹ گئے ہیں، ''اگر'' سے شروع ہونے والا جملہ میر مذکور کا نہیں بل کہ شیخ محمد معصوم کا ہونا چاہیے جس میں وہ میر کو تسلی دے رہے ہیں کہ تمھاری اہلیہ ہمار ی بیٹی کی طر ح ہے، اگر یہ رقم اس سے خرچ ہو گئی ہے تو ہم نے برضا و رغبت اسے بخش دی۔

ص۲۱۴: ''شما آداب فقرا بسیار بجا آوردند''؛ شما کے لیے ''آوردید''ہونا چاہیے۔

ص۲۵۸: ''بعضی اعزہ کہ...بسر می برذ''؛ اعزہ کی رعایت سے یہاں ''می بردند'' ہونا چاہیے۔

ص۲۵۸: ''چون بر احوال آنہا انداختہ می شوذ''؛ یہاں چون کے بعد غالبا ''نظر'' قلم انداز ہو گیا ہے۔

ص۲۵۸: ''حضرت ایشاتین''؛ معلوم نہیں ایشاتین سہو قلم ہے یا ایشان کا تثنیہ؟ اگر تثنیہ ہے تو خانہ ساز فارسی ہے۔

ص۲۵۹: ''بادشاہ از آن باز کہ بر مکتوبات... پچند''؛ پچند کا یہاں کیا استعمال ہے؟ میں نہیں سمجھ سکا۔شاید کوئی اور لفظ ہے۔

ص۲۵۹: ''در مادۂ ایشان''؛ شاید'' دربارۂ ایشان ''ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ص۲۶۵: اس صفحے پر مصنّف نے شیخ محمد صبغت اللہ کی ولادت (۱۰۳۳ھ) کے کچھ مادّہ ہاے تاریخ اپنی عبارتوں میں بیان کیے ہیں، فاضل مرتّب کو چاہیے تھا کہ انھیں واوین یا خط کشیدہ کر کے واضح کرتے، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ مادّے یہ ہیں:''غالب'' اور ''وی معشوق ربّ رحمان''۔ مترجم نے یہ پوری عبارت ترجمے سے خارج کر دی ہے۔

ص۲۶۶: ''بابا! ۰۰۰این ہا را محزون ساختہ آید''؛ ''ساختہ اید''ہونا چاہیے۔

ص۲۶۶: ''بہ حلاوت بہ خورند و بہ خسپید''؛ ''بخسپند''ہونا چاہیے۔

ص۲۷۴: ''تا آن کہ نصف گذشتہ''؛ نصف کے بعد غالبا ''روز'' قلم انداز ہو گیا ہے۔

ص۲۷۴: ''بعد از تیاری طعام نیاز آرند اظہار مطلبی ۰۰۰نمود''؛ ''نیازآرندہ''[نیاز لانے والا] ہونا چاہیے۔

ص۳۱۶: ''تا بہ جمعیت خاطر گرفتہ ہر دو''؛ ''برود''ہونا چاہیے۔

ص۳۱۷: ''خطا مجتہد ہم حکم صواب و یک درجہ ثواب دارد و ثواب او بدہ درجہ ثواب می رسد''؛ یہ جملہ اس طرح لکھا جانا چاہیے: خطای مجتہد ہم حکم صواب و یک درجہ ثواب دارد و صواب او بہ دہ درجہ ثواب می رسد۔

ص۳۶۵: ''سواری فیل''؛ نسخۂ م میں سواری بہل ہے اور اسے ترجیح دینا چاہیے، سفر حج کے لیے ہاتھی کی سواری کی بجاے بہل کی سواری کارآمد تھی۔

ص۳۸۲: پر جو اشعار نقل ہوے ہیں ان میں گڑبڑ ہے:

گر از بویم گربزی ہم بہ خوشم
کہ تو عطار و ما ماہی فروشم

گربزی کو گریزی پڑھنا چاہیے (جیسا کہ مترجم نے جلد۲، ص۴۹۹ میں صحیح لکھا ہے)؛ خوشم معنی کے اعتبار سے تو درست ہے لیکن بے وزن ہے؛ ما اور فروشم میں مطابقت نہیں، ما کہ جگہ من قرینِ صواب ہے۔

عشق تو این کار فرزانہ
آنچنان ساخت در دلم خانہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مصرع اولی محلِ نظر ہے۔

که تـرا هم نماند گنجای
بعد ازین خوشترم به تنهای

''گنجای'' اور ''تنهای'' کو گنجایی اور تنهایی لکھنا چاہیے۔

صحرا فراخ است ای پسر، تو گوشئہ ما گوشہ
منزل دراز است ای پسر، تو نوشئہ ما نوشہ

اس بیت میں نہ صرف املا کے مسائل ہیں بل کہ مصرع ثانی معنی کے اعتبار سے بھی مہمل ہے۔ خواجہ عبید اللہ احرار اپنے بعض خدّام پر عتاب کے وقت یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

صحرا فراخست ای پسر، تو گوشہ ای ما گوشہ ای
ہمچو ملخ از کشت شہ تو خوشہ ای، ما خوشہ ای[۱۵]

مذکورہ شعر اسی کی تصحیف معلوم ہوتا ہے۔

ص۳۸۳: ''مردمان ••• در مساکن خود ہا بہ روند و لوازم خدمت••• بجا آوردند''؛ یہاں ''بہ روند'' کی جگہ ''بردند'' ہونا چاہیے۔

ص۳۸۳: ''نہری بود •••دعا فرمایند تا بعد قرن باز او نہ رود جاری شود''؛ خط کشیدہ عبارت مہمل ہے۔شاید یہ اس طرح ہو:بعد قرن باز او[آن] نہر ۔

ص۳۹۸: ''جنونی کردہ ام پیدا ،نہ شہری، نہ بیابانی'' ؛ مصرع بے وزن ہے۔

ص۴۰۶: ''اکثر •••صحبت دست دہد''، یہاں اگر ہونا چاہیے۔

ص۴۱۵: ''فقیر خود در جواب باوجود علم یقینی بآن توفیق داشتہ''؛ یہاں توقفی ہونا چاہیے۔

ص۴۸۲: ''منکریست''؛ بنگریست ہونا چاہیے۔

ص۴۸۲: ''معدوم''؛ معدود ہونا چاہیے۔

ص۴۸۳: ''از ••• علائق بہ••• حقائق آید و از ••• صور بہ••• معنی گردید''؛ گراید ہونا چاہیے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جلد چہارم:

ص ۴۸: فاضل مرتّب نے حافظ سلطان علی کی نسبت ''اوبہی'' کو غلط قرار دیاہے اور ان کی بلخ کے قریہ ''اوبری'' سے نسبت قیاس کی ہے۔ فاضل مرتّب کا یہ قیاس صحیح نہیں ہے ۔حافظ سلطان علی خراسان کے قریہ ''اوبہ'' کے رہنے والے تھے جو ہرات سے مشرق کی طرف واقع ہے۔ اوبہ کا جغرافیا اور یہاں کے کچھ علماء کاتذکرہ اور حافظ سلطان علی اوبہی کے حالات پر کئی کتابیں موجود ہیں[۱۶] ۔ *مقاماتِ معصومی* میں حافظ سلطان علی اوبہی کا ذکر ایک سندِ مصافحہ کی ضمن میں ہوا ہے۔ حافظ سلطان علی اوبہی نے اپنے *رسالہ دراسناد مصافحہ* (مخطوطہ قومی عجائب گھرپاکستان، کراچی، شمارہ N.M.1957-655/33) میں ان تمام اسناد کا ذکر کیا ہے جو انھیں مصافحہ میں حاصل تھیں۔ حافظ سلطان علی اوبہی کی ایک اور تصنیف *فرہنگ تحفۃ الاحباب* مشہد سے ۱۹۸۶ میں اور دوشنبہ سے ۱۹۹۳ء میں چھپ چکی ہے۔

ص۴۸: شیخ محمود اسفزاری کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے حالات متعارف تذکروں میں نہیں ملتے اور یہ بات صحیح ہے۔تاہم محمد الباقی بن ہاشم بلخی پلاس پوش نے اپنے *رسالہ ٔ مصافحہ* (تصنیف۱۰۰۳ھ/۱۵۹۵ء) میں ان کا مختصر ذکر کیا ہے: ''پس جناب حافظ سلطان علی بہ شیخ محمود اسفرزی [کذا] محدّث در قریۂ اوبہ در تاریخ ہفتصد [کذا:ہشتصد] وشصت و پنج مصافحہ کردہ اند وعمرِ جناب حافظ سلطان علی بہ نود وسہ رسیدہ است وعمرِ شیخ محمود بہ صدو بیست، و شیخ محمود اسفرزی [کذا] بہ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی مصافحہ کردہ اند''[۱۷]۔

ص۱۰۳: مخدوم اعظم[۱۸] کو خواجہ عبیداللہ احرار کا خلیفہ لکھا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے، وہ خواجہ عبیداللہ احرارکے مرید مولانا محمد قاضی سمرقندی (م۹۲۱ھ/۱۵۱۵ء) مصنّف ِ *سلسلۃ العارفین* کے خلیفہ تھے۔

ص۳۶۹: ''مولانا مراد شامی کا سلسلۂ نسب سیّد الانبیا صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم تک اس طرح واصل ہوتا ہے، مراد بن علی۰۰۰۰ بن ہود ینتھی الی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم الحسینی البخاری''؛ فاضل مرتّب یہاں کیا کہنا چاہتے ہیں اور ''النبی الحسینی البخاری'' سے کیا مراد ہے؟

فاضل مرتّب نے اس جلد کے آخر میں خواجہ محمد معصوم اور *مقاماتِ معصومی* کے رجال سے متعلقہ کئی نادر مخطوطات اور قلمی یادداشتوں کےعکس دیے ہیں۔ اس ضمن میں ہم بھی ایک یادداشت کی نشان دہی کرنا چاہیں گے۔ *شرح التعرف لمذھب التصوف* از مستملی کا ایک قلمی نسخہ سردار مسعود جھنڈیر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لائبریری، سردار پور جھنڈیر، میلسی میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر خضر نوشاہی صاحب نے اس ذخیرۂ مخطوطات کی فہرست تیار کی ہے، اس فہرست کے مسودے سے ہمیں اس نسخے کا علم ہوا اور ۱۸ جون ۲۰۰۵ء کو وہاں جا کر دیکھنے کا اتفاق بھی ہوا۔ اس نسخے پر ایک اہم یادداشت موجو د ہے جسے خضر نوشاہی صاحب نے اس طرح پڑھا ہے:

''این کتاب مستطاب مبارک متبرک بہ مطالعۂ حضرت خود حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس اللہ سرّہ درآمدہ و از خدمت ایشان و از کتاب خانۂ آن حضرت بہ اولاد امجاد رسیدہ• شی در واقعہ حضرت معظم الیہ دید کہ این رسالہ در••• حضرت میاں محمد معصوم قدس سرّہ باکتاب دیگر دادند•بعد چند روز این کتاب مستغنی الالقاب بہ فقیر الحقیر تراب اقدام اہل اللہ ••• بعد از وصال حضرت ایشان قدس سرہ ••• باین فقیر رسید''۔

اس یادداشت کے محرّر نے اپنا دستخط نہیں کیا، بعد میں اس تحریر کے نیچے کسی واقف حال نے (جو ممکن ہے اگلی یادداشت کے محرّر ہوں) یہ لکھاہے: ''خط مبارک خواجہ خورد پسر حضرت''۔ اس کے نیچے ایک اور یادداشت ہے:

''ثم انتقل بطریق العوض من کتاب *نقد النصوص* الذی هو شرح الشرح *فصوص الحکم* من تصانیف حضرت مولوی الجامی قدس سرّہ السّامی باضعف عباد الله المفتقر الی الله الودود خواجه محمد صادق ابن خواجه عبیدالله العلوی نسبا والحنفی مذهبا و النقشبندی طریقا''

اس کے بعد ایک اور تحریر اور مہر ہے: '' للفقیر عالم بن السید سلطان محمد، ذی قعدہ ۱۱۳۱ھ''؛ مہر: الحمد مظفر''

(II)

املا، کتابت اور طباعت کی فروگزاشتیں:

جلد ۱:

(اندراجات کی ترتیب اس طرح ہے :صفحہ، سطر: خطا رصواب)

ص۸، س۵: موفع رموقع

ص۱۱، حاشیہ: غوتی ماونڈوی رغوثی مانڈوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ص۱۶، س۱۵: امام اکار دیگر/اما بہ ما کار دیگر

ص۱۶، ص۱۶: یتوسل / بہ توسل

ص۳۰، حاشیہ ۱: باشند/باشندہ

ص۶۶، س۱۵: تہ کرنے/طے کرنے

ص۶۶، س۱۶: بختار/بختیار

ص۶۷، س۱۳: سونح نگار/سوانح نگار

ص۷۶، س۱: توجیح/توجیہ

ص۷۶، حاشیہ۲: شیہ/شبہ

ص۷۷، حاشیہ ۱: ایک خطی بھی/ ایک خطی نسخہ بھی

ص۷۷ کے حواشی پر نمبر ڈالتے وقت تسامحات ہوئے ہیں۔ حاشیہ کی عبارت ''ملا محمود جونپوری...'' کو حاشیہ نمبر۲ کے طور پر پڑھا جاے۔ حاشیہ نمبر۲ ، ۳ کو علی الترتیب ۳،۴ پڑھا جاے۔

ص۷۸، س۲؛ محس/محسوس

ص۷۸، س۷: مذہبا/ مذہب ہا

ص۸۰، س۸: مدتی با تر صفات او سرخوش بود/ مدتی با ترصیفات او خوش بود

ص۱۱۵، حاشیہ ۴: *گلزار ابرار*/مرتّب نے *گلزار ابرار* کا ورق شمار نہیں دیا، ان کے زیر استعمال مانچسٹر کا قلمی نسخہ تھا، میرے پیش نظر اس کی اشاعت مرتّبہ ڈاکٹر محمد ذکی، شائع کردہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۴ء ہے اس کے صفحہ ۳۰۴ پر متعلقہ واقعہ موجود ہے۔

ص۱۲۱، س۱۹: خواجگی ماندہ ایم/خواجگی را ماندہ ایم

ص۱۸۰، س۲۰: خجتسہ اختر/خجستہ اختر

ص۲۰۲، حاشیہ۴: بخار/بخاور

ص۲۷۲، حاشیہ۱: *طبقات شاہ جہانی*، مطبوعہ ۲۱/۹،یہ حوالہ واقعہ سے مطابقت نہیں رکھتا، اسے مطبوعہ ۲۶/۱۰ پڑھا جاے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ص۲۸۱، س۱۶: تعلقات/تعلیقات

ص۲۹۶، حاشیہ۱: ''چونکہ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان صاحب شیخ محمد مراد کے حالات سے واقف نہیں تھے لیکن نہ تو ...'' یہ جملہ بلیغ نہیں ہے۔

ص۳۴۵، س۵: دشمنان این/دشمنان دین

ص۳۴۸، س۱۳: ''حد شمار آریٔ خلفای اکابر را شنیدہ ام...'' یہ عبارت خود صاحب ِمقاماتِ معصومی کی ہے جسے فاضل مرتّب نے متن میں یوں نقل کیا ہے: ''مجازان ایشان ہم زیادہ از حد شمار آری خلفای اکابر را شنیدہ ام'' (ص۴۲۳) مقدّمے میں نقل شدہ عبارت میں چند ایک اشکال ہیں۔ اوّلاً غیر مربوط اور ناقص من الابتداء ہے، ثانیاً املا صحیح نہیں، رموز اوقاف کے ساتھ اسے یوں پڑھنا چاہیے: ''مجازان ایشان ہم زیادہ از حد شمار؛ آری خلفای اکابررا شنیدہ ام''۔

ص۳۷۷، س۱۹: فائیکروفلم/مائیکروفلم

ج۲:

ص۵، س۸: گردزدار/گرزدار

ص۵، س۱۷: کنزل/کنز

ص۱۷، س۱۷: دارالاشاد/دارالارشاد

ص۵۵، س۲۰: دفریست/دفتریست

ص۲۷۴، س۱۱: گشتہ/کشتہ

ص۴۹۹: ترجمے کے دوران فارسی اشعار، متن سے مختلف نقل ہوے ہیں۔

ص۵۳۹ کے بعد مترجم نے ترجمے کے دوران قوسین میں متن کے جو صفحات شمار دیے ہیں وہ ترجمے اور متن کی عبارتوں سے مطابقت نہیں رکھتے اور آگے پیچھے ہیں۔

ج۳:

ص۴۲۳، س ۷: بادر/باید

آخر میں فہرست مندرجات:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ص۵، س۸: گردزدار/گرزدار

ص۵، س۱۷: کنزل/کنز

ص۶، س۳: عاثور/عاشور

ج۴:

ص۲۳، ص۸: ردوی/ردولی

ص۲۵، ص۲: امیر خسرو، *سیرالاولیا*/امیر خرد، *سیرالاولیا*

ص۴۷، آخری سطر: جنوشانی/خبوشانی

فہرست مآخذ:

ص۴۸۰، شمارہ ۵۱: N.M.1902-56/N.M.1962-56

ص۴۹۱، شمارہ ۲۱۱: ولیم چتیک/ولیم چیتک (تقدیم یا ء بر تاء)

ص۴۹۱، شمارہ ۲۱۳: ہفت رورنگ/ہفت اورنگ

ص۴۹۳، شمارہ ۲۴۸: شایکان/شایگان

ص۴۹۴، شمارہ ۲۵۸: ۱۹۶۸ش/۱۹۶۸ء

ص۴۹۸، شمارہ ۳۲۵: ذخیرۃ الخواتین/ذخیرۃ الخوانین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حواشی

۱۔*دیوان جامی*، جلد دوّم (*واسطۃ العقد*، *خاتمۃ الحیات*) مرتّبہ اعلا خان افصح زاد، مرکز مطالعات ایرانی، تہران، ۱۹۹۹ء ،ص۲۸۲

۲۔ایضا،ص۲۹۶

۳۔ایضا،ص۳۰۷

۴۔ ایضا،ص۶۱۸

۵۔ایضا،ص۲۹۴

۶۔ ایضا،ص۶۲۵

۷۔*منتخب التواریخ*،بہ تصحیح مولوی احمد علی، با مقدمہ و اضافات توفیق ھ .سبحانی،انجمن آثار و مفاخر فرہنگی، تہران،۲۰۰۰ء،ص۶

۸۔*گلزار ابرار*،مرتّبہ ڈاکٹر محمد ذکی،خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۴ء، ص۲۶۷، ۲۷۵

۹۔*بہارعجم*، بہ تصحیح دکتر کاظم دزفولیان،انتشارات طلایہ،تہران،۱۳۷۹ش، بذیل ''تقدیم''۔

۱۰۔ایضا، بذیل ''تقدمہ''۔

۱۱۔*فرہنگ فارسی*،انتشارات امیر کبیر،تہران ، طبع ہفتم،۱۳۶۴ش، بذیل'' تقدیم''۔

۱۲۔عارف نوشاہی ''محمد ہاشم کشمی کے بعض فارسی رسائل کی بازیافت'' ، *فکرو نظر*، اسلام آباد،محرّم۔ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ / جولائی۔ستمبر۱۹۹۳ء، صفحات ۴۳۔ ۸۶

۱۳۔*ریاض الشعراء*،بہ اہتمام شریف حسین قاسمی، رام پور، ۲۰۰۱ء، ج۱، ص۳۵۳۔۳۵۵

۱۴۔*دریاے روح وتمیم نوح*، قلمی ،بلا تاریخ ،ذخیرہ ٔعارف حکمت،مکتبۂ ملک عبدالعزیز، مدینۂ منوّرہ، شمارہ ۸۱۲/۲۲، ورق۱۴ ب۔ ۱۵ب۔

۱۵۔*احوال و سخنان خواجہ عبید اللہ احرار*، مرتّبہ عارف نوشاہی،مرکز نشر دانشگاہی، تہران، ۱۳۸۰ شمسی، ص۲۶۲

۱۶۔دیکھیے: یاقوت حموی *معجم البلدان*،ج ۱،ص۳۲۷؛ حافظ ابرو،*جغرافیای حافظ ابرو*،طبع تہران ،ص۱۲۹اوراس پر مائل ہروی کی تعلیقات، ص۹۱۔۹۳؛ میر علی شیر نوائی، *مجالس النفائس*، طبع علی اصغر حکمت، تہران ،ص۱۴۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۷۔رسالۂ مصافحہ، ، ورق درمجموعہ ۱۸۵ ب/۱۸۶ الف، قلمی نسخہ مملوکہ مرحوم خلیل الرحمان داودی لاہور ،عکس مملوکہ راقم السطور۔

۱۸۔مخدوم اعظم کے حالات پر ان کے مریدوں اور عزیزوں کی طرف سے لکھی جانے والی فارسی کتب کا بہترین تعارف بابا جان اوف B.Babajanov نے اپنے مضمون Biographies of Makhdum-i-Azam al-Kasani al-Dahbidi:Shaykh of the sixteenth century Naqshbandiya مطبوعہ *Manuscripts Orientalia*، ماسکو، جلد ۵، شمارہ ۲، جون ۱۹۹۹ء، صفحات ۳۔۸ میں کیا ہے۔ یہ مضمون اس لائق ہے کہ اس کا اردو اور فارسی میں ترجمہ کیا جاے۔

خصوصی تشکّر: میں پروفیسر ڈاکٹر معین نظامی، صدر شعبۂ فارسی اورینٹل کالج، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور کا بے حد ممنون ہوں جنھوں نے میری درخواست پر میرے اس مضمون کا مسودہ بالاستیعاب پڑھا اور اسے بہتر بنانے کے لیے کئی مفید مشورے عنایت فرماے۔

© rasailojaraid.com